(غلام گردش)

## یہاں کوئی بھی ماضی کی غلطیوں سے نہیں سیکھتا!

1972 مارچ کا مہینہ تھا۔ بدلتا ہوا موسم۔ لاہور میں پولیس اہلکاروں میں اپنی قلیل تنخواہوں کے متعلق سخت بے چینی تھی۔ ڈالر کے تناسب سے دیکھا جائے تو پولیس کانسٹیبل صرف بتیس ڈالر تنخواہ وصول کر رہا تھا۔ اس وقت ایک امریکی ڈالر پاکستانی کرنسی کے چودہ روپے کے برابر بنتا تھا۔ یعنی پولیس اہلکار کی ماہانہ آمدنی حد درجہ کم تھی۔ پولیس اہلکاروں کے اندر یہ چبھن، اس درجہ بڑھ گئی کہ انہوں نے ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ یونیفارم پہننے والی نظم وضبط کی پابند فورس کی طرف سے یہ ایک انہونی چیز تھی۔ تھوڑے عرصے کے بعد ہڑتال ملک گیر بن گئی۔ ملتان، حیدر آباد، لائل پور، چارسدہ اور پشاور ہر شہر میں قیامت برپا ہوگئی۔ ذوالفقار علی بھٹو جیسا ذہین آدمی بھی پریشان ہوگیا۔ اس ہڑتال کو کیسے ختم کیا گیا۔ طاقت کے زور پر کیا کیا مظالم ہوئے۔ یہ سب کچھ تاریخ کا حصہ ہے۔ شنید ہے کہ کئی ہڑتالی پولیس والوں کو چھتوں سے نیچے پھینکا گیا۔ بہر حال یہ معاملہ وقتی طور پر مکمل طور پر قابو میں آ گیا۔

اس تمام معاملے نے بھٹو کی سوچ پر بے حد اثر کیا۔ اسے احساس ہونے لگا کہ کسی بھی سرکاری ملازم کا اصل خاصہ ذاتی وفاداری ہے۔ ٹکا خان سے مشورہ کے بعد بھٹو نے ایف ایس ایف کی بنیاد رکھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تعداد پندرہ ہزار فعال، مضبوط نوجوانوں تک پہنچ گئی۔ حق نواز ٹوانہ اسکا پہلا سربراہ تھا۔ مگر تھوڑے عرصے بعد مسعود محمود نام کا پولیس افسر بھٹو کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ انڈین پولیس سروس کا یہ افسر برطانیہ کی مشہور قانونی درسگاہ لنکز اِن کا پڑھا ہوا تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ، خوش گفتار، مغربی تہذیب میں گندھا ہوا یہ نوجوان افسر وزیر اعظم کو بھا گیا۔ اس شخص کو ایف ایس ایف کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔ ایک لحاظ سے پورا ملک مسعود محمود کے تسلط میں آ گیا۔ وہ جسے چاہتا، گرفتار کر سکتا تھا۔ کسی بھی مخالف سیاستدان پر زندگی تنگ کر سکتا تھا۔ ایف ایس ایف پاکستان کے ہر ضلع میں موجود تھی۔ یعنی اس افسر کے پنجے ملک کے ہر شہری کی شاہ رگ میں دھنسے ہوئے تھے۔ بھٹو سے مکمل وفاداری کا دعوی اسکی طاقت کا اصل راز تھا۔ بھٹو نے یقین کر لیا تھا کہ مسعود محمود اسکا پالتو ترین افسر ہے۔ دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے، اسکی جانثاری تبدیل نہیں ہوگی۔ مسعود محمود خوشامد کے فن کا بادشاہ تھا۔ بھٹو جیسے ذہین آدمی کو شیشے میں اُتارنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مگر اب مسعود، وزیر اعظم بھٹو کا دستِ راست تھا۔ پورے ملک میں مضبوط ترین افسران، اسکی خوشنودی حاصل کرنے کو نوکری کی معراج سمجھتے تھے۔ وقار جیسا مضبوط سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ بھی مسعود سے گھبراتا تھا۔ دیکھا جائے تو اصل قوت صرف اور صرف مسعود کی تھی۔ 1977 میں جب فوج نے بھٹو کی حکومت کا تختہ اُلٹا، تو شروع شروع میں گرفتار ہونے والوں میں مسعود محمود بھی شامل تھا۔ حراست کے محض چند گھنٹے بعد اسے جنرل چشتی کے سامنے پیش کیا گیا۔ کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ مسعود محمود نے کیا حرکت کی۔ آپکے ذہن میں ہوگا کہ اس نے بڑی تمکنت کے ساتھ جنرل چشتی کو کہا ہوگا کہ اسے گرفتار کیوں کیا گیا۔ شائد یہ بھی کہا ہوگا کہ وہ اپنے محسن یعنی بھٹو کے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔ جہاں اسکے لیڈر کا پسینہ گرے گا، وہاں اسکا خون گرے گا۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ مسعود محمود نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک کمزور آدمی کی طرح بکھر گیا۔ جاتے ہی جنرل چشتی کے پیروں میں گر گیا۔ معافی مانگنی شروع کر دی۔ بچوں کی طرح آہ زاری کر رہا تھا۔ اپنی جان بخشی کی منتیں کر رہا تھا۔ اردگرد کے سارے فوجی افسر حیران

ہوگئے کہ وہ مردِ آہن جوملک کے مقدر کا مالک تھا۔جسے چاہتا،قتل کروادیتا تھا۔جسے چاہتا،بدترین اذیت میں مبتلا کروادیتا تھا۔اتنا گھٹیا نکلا کہ صرف چند گھنٹوں میں ہی ٹوٹ پھوٹ کر غداری کر گیا۔اسکے سفلی پن سے فوجی افسران بھی پریشان ہوگئے۔یہ وہی مسعود محمود تھا جسکے اعترافی بیان پر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا۔وفادار ترین افسر،حکومت بدلنے کے صرف چند گھنٹوں بعد نہ صرف بدترین دشمن بن گیا بلکہ بھٹو کے خلاف ہر طرح کا بیان دینے کیلئے خود بخود تیار ہوگیا۔ذوالفقار علی بھٹو کی فطری کمزوری یعنی خوشامد پسندی نے اسکی آنکھوں کے سامنے پٹی باندھ دی اور وہ ایک ادنیٰ ترین بندے کو وفادار اور پسندیدہ ترین افسر گردانتا رہا۔دراصل یہ پاکستان کے ہر حکمران کی فطری کمزوری ہے۔

بھٹو کے دور کے بعد،جنرل ضیاء الحق کا دور آیا۔ایک ایسا سیاہ ترین وقت،جسکی گرفت سے ہمارا ملک آج تک نہیں نکل سکا۔جنرل ضیاء الحق کے لگائے ہوئے پودے،آج کانٹوں بھرے درخت بن چکے ہیں۔بہر حال غلام اسحٰق خان اور چند دیگر حضرات جو بھٹو کے دستِ راست تھے،ضیاء الحق کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔غلام اسحٰق خان وہ شخص تھا،جس نے بھٹو اور پی این اے کے درمیان کامیاب مذاکرات کی مخبری کی تھی۔کامیاب مذاکرات کے اعلان سے پہلے ہی جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کی حکومت کا قلع قمع کر ڈالا۔مسعود محمود تو بھٹو کو پھانسی لگوانے کے بعد امریکہ چلا گیا۔مگر غلام اسحٰق خان،نئے فوجی صدر کا دستِ راست بن گیا۔کیا حیرت کی بات نہیں کہ ان جیسے افسروں نے ہر دور کے حکمرانوں کو قابو رکھنے کا گُر کتنی کامیابی سے سیکھ لیا اور اسے کمال ہنر سے استعمال کیا۔

آگے چلیے۔نواز شریف بھی اپنے دورِ اقتدار میں ہر طرح کے میرٹ کو مسلسل نظر انداز کرتے رہے۔وزیر اعلیٰ کے طور پر انکے نزدیک ہر وہ افسر بہترین تھا،جو انہیں صرف یس سر،یس سر کہتا تھا۔میرٹ پر کام کرنے والے افسران کو وہ دشمن سمجھتا تھا۔پہلی بار وزیر اعظم بننے کے بعد بھی نواز شریف کا یہی وطیرہ رہا۔افسروں کے نام نہیں لکھنا چاہتا۔کیونکہ مقصد کسی کی کردار کشی نہیں۔مگر نواز شریف جب وزیر اعظم بنا،تو اس سے منسلک افسران نے قیامت خیز کرپشن کی۔دوسری مرتبہ بھی یہی ہوتا رہا۔اسکے نزدیک ترین ایک سویلین افسر کے پورے پاکستان کی سرکاری ہاؤسنگ سکیموں میں ڈیڑھ سو پلاٹ تھے۔نواز شریف کی بنیادی طبیعت میں خوشامد پسندی شامل تھی اور ہے۔لائق اور محنتی افسروں سے انہیں سخت چڑ تھی۔اسکی زبان پر صرف ایک فقرہ رہتا تھا۔ "اے افسر،ساڈا بندہ ہے،کہ دوسریاں داں"۔یعنی یہ افسر ہمارا بندہ ہے کہ دوسروں کا۔محترمہ بینظیر بھٹو حد درجہ ذہین تھیں۔مگر انکے شوہر نامدار نے خاص صوبائی اور مالیاتی عصبیت کے حامل اہلکار کے علاوہ کسی بھی افسر کو انکے نزدیک نہ آنے دیا۔جنرل پرویز مشرف بھی صرف اور صرف اپنے سیکرٹری طارق عزیز کے بل بوتے پر معاملات حل کرتے رہے اور مکمل طور پر ناکام ہوگئے۔

اب حالیہ چند سالوں کی طرف آتا ہوں۔شہباز شریف کو بلا شرکت غیرے،پورے دس برس،پنجاب کا اقتدار حاصل رہا۔سیاہ اور سفید کے مالک رہے۔انکے اردگرد خوشامدی اور فطین لوگوں کا ایک ایسا گروہ جمع ہوگیا کہ شہباز شریف زمینی صورتحال سے مکمل طور پر لاتعلق ہوگئے۔شہباز شریف کے متعلق ایک سطحی تاثر پھیلایا گیا کہ وہ حد درجہ محنتی ہیں۔"شہباز سپیڈ" جیسی اصطلاح تخلیق کی گئی۔جو کہ مکمل طور پر افسانوی تھی۔پروپیگنڈے کا ایسا طوفان مچایا گیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ پنجاب میں فقید المثال ترقی ہو رہی ہے۔بس

چند ماہ بعد، چین اور امریکہ کے صدور بھی وزیراعلیٰ سے مشورہ کرینگے کہ آپ نے اپنے صوبے میں اتنی ترقی کس طرح کرواڈالی۔ آیئے، ہم متاثر ہوکر آپکو چین کا وزیراعظم یا امریکہ کا صدر بنادیتے ہیں۔ حقیقت میں مالیاتی کرپشن، ادنیٰ منصوبہ بندی اور گھٹیاپن کا بازارِ مصر برپا کردیا گیا۔ چند افسروں نے شہباز شریف کو مکمل طور پر برباد کرڈالا۔ غلط مشورے دے دیکر پوری بیوروکریسی میں شدید گروہ بندی پیدا کرڈالی۔ اور تو اور، وزیراعلیٰ کو ماڈل ٹاؤن جیسے بھیانک واقعہ میں بھی غلط مشاورت دے دیکر قتل جیسے سنگین کھیل میں ملوث کردیا گیا۔ یہی افسر کبھی پنجاب کو چلاتے رہے اور مرکز میں جا کر کبھی وزیراعظم کی گود میں بیٹھ گئے۔ غور کریں۔ تو نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کے تیسرے دور میں انکے اردگرد تمام افسران وہی تھے جو چھوٹے میاں صاحب کے بغل بچے تھے۔ نتیجہ کیا ہوا۔ آج شہباز شریف اور انکا پورا خاندان، نواز شریف اور انکا پورا خاندان حد درجہ مصائب میں مبتلا ہے۔ انکے اردگرد جتنے وفادار ترین افسر تھے، انہوں نے حکومت جاتے ہی آنکھیں بدل لیں۔ ان میں سے جس پر بھی ہاتھ ڈالا گیا، وہ ایک منٹ سے پہلے "وعدہ معاف گواہ" بن گیا۔ طوطے کی طرح بتانے لگا کہ اس نے تو کچھ نہیں کیا۔ سب کچھ تو میاں صاحبان کے احکامات پر ہوتا رہا۔ وہ تو مکمل طور پر بے قصور ہیں۔ ان افسروں نے حالات کو بدلتے دیکھ کر اپنا قبلہ اس تیزی سے تبدیل کیا کہ انسان حیران ہوجاتا ہے۔ دوبارہ عرض کرونگا کہ نام نہیں لکھنا چاہتا۔ یہ پابندی میں نے اپنے اوپر خود لگائی ہوئی ہے۔ ورنہ جتنی تفصیل سے سرکاری معاملات کو جانتا ہوں، اگر لکھ دوں، تو قیامت برپا ہوجائیگی۔ جتنی ہوشربا کرپشن ان افسروں نے میاں صاحبان کے دور میں کی ہے، اسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دولت کی گنگا میں نہاتے نہیں رہے، بلکہ پوری گنگا ہی پی گئے۔

بہرحال آج کی صورتحال پر غور کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ میاں صاحبان کے دور کے کئی افسران، تحریک انصاف کے اکابرین کو باور کرواچکے ہیں کہ وہ تو صرف میرٹ پر کام کرتے رہے ہیں۔ وہ تو پروفیشنل سول سرونٹ ہیں۔ انکا کسی سابقہ کرپٹ گروپ، گروہ یا کسی بھی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ انتہائی دکھ اور حیرت کی بات ہے کہ تحریک انصاف کے کرتا دھرتا، ان سرکاری جادوگروں کے خوفناک چنگل میں آچکے ہیں۔ یہ تمام بابو باہمی کرپشن کی ڈور میں بندھے ہوئے ہیں۔ انکا غیر قانونی مفاد بھی ایک ہے اور بنیاد بھی ایک۔ مقصد، کسی طرح بھی نئی سیاسی حکومت کو بیوقوف بنانا ہے۔ تحریک انصاف کو باور کروانا ہے کہ وہ تبدیلی اور انقلاب کے داعی ہیں۔ اب نئے مسعود محمود بھی پیدا ہوچکے ہیں۔ نئے غلام اسحٰق خان بھی جنم لے چکے ہیں۔ انکا پورا گروہ اقتدار کا اصل مالک بن چکا ہے۔ جو کھیل انہوں نے پنجاب اور گزشتہ مرکزی حکومتوں میں کھیلا، پیہم جاری وساری ہے۔ دکھ صرف ایک ہے کہ ہمارے بدقسمت ملک میں کوئی بھی مقتدر شخص ماضی کی غلطیوں سے کچھ بھی نہیں سیکھتا۔ دیکھیے، انجام کیا ہوتا ہے؟

راؤ منظر حیات